OPEN ACCESS
AL-EHSAN
ISSN(E) 2788-0458
ISSN(P) 2410-1834
www.alehsan.gcuf.edu.pk
PP: 134-148

تفسیر اشاری کا تعارف اور موضح القرآن میں اس کے مظاہر (تحقیقی جائزہ)

Tafsir-e-Ashari's Introduction & Its Manifestation in Muzih-ul-Quran (A Research Analysis)

Syed Hafiz Daniyal Ahmad

Ph.D Scholar of Islamic Studies,

The Islamiya University of Bahawalpur

Dr. Muhammad Ilyas

Assistant Professor of Arabic,

The Islamiya University of Bahawalpur

Abstract

The Qur'an is the miracle of Allah Almighty, in which people have refined every thought in every age. The Sufis read the Qur'an in their mystical style and derived meanings from it. The tradition of Tafsir Sufi or Tafsir Ashari is very old. This refers to a commentary that is apparently contrary to the meaning of the Qur'an, but is based on subtle hints that do not contradict the spirit of Islam. Scholars of the Qur'an and Tafsir have applied a number of conditions for this, with the exception of which this Tafsir has also been allowed. The first idiomatic translation of the Holy Quran in Urdu language is 'Muzih-ul-Quran'. This translation was done by Shah Abdul Qadir (may Allah have mercy on him), the son of the Scholars' family of the subcontinent. As well as translating, he also included commentary points in the footnotes. These footnotes also contain Tafsir Ashari. In this article, attention has been paid to the definition of Tafsir-e-Ashari and its conditions as well as the manifestations of Tafsir-e-Ashari in 'Muzih-ul-Quran'. Shah Abdul Qadir (may Allah have mercy on him) has used Tafsir-e-Ashari in various places. These places are illustrated with examples in this article.

Keywords: Tafsir-e-Ashari, Muzih-ul-Quran, Shah Abdul Qadir, Translation, Manifestations, Sub-Continent, Contradict, Subtle Hints.

تفسیر اشاری کا تعارف

لفظِ اشاری عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے حروف اصلی "ش، و، ر" ہیں۔ اس کا لغوی معنی یہ ہے کہ کسی چیز کی جانب متوجہ کرنا۔ اشارے میں متوجہ کرنے کے لیے عموماً حسی انداز اپنایا جاتا ہے مثلاً ہاتھ، آنکھ یا سر وغیرہ سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ 'لسان العرب' میں علامہ منظور افریقی لکھتے ہیں:

> ”واشار الیه وشور: او مایکون ذالک بالکف والعین والحاجب۔ انشد ثعلب: نسر الهوی الاشارة حاجب هناک والا ان تشیر الاصابع“[1]
>
> (اشار الیہ اور شور سے مراد اشارہ کرنا ہے، اور یہ ہاتھ، ہتھیلی، آنکھ، بھنوؤں اور انگلیوں سے اشارہ کرنے کا تذکرہ ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ اشارے میں انسان کسی بات کے افہام کے لیے اپنے اعضائے جسمانی کا بالواسطہ یا بلا واسطہ استعمال کرتا ہے۔ بلاواسطہ کا مفہوم تو واضح ہے۔ بالواسطہ کی مثال یہ ہے کہ انسان بعض دفعہ کسی چیز کی طرف اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی سے اشارہ کرتا ہے۔ بہ ظاہر یہ اشارہ چھڑی سے ہو رہا ہوتا ہے، لیکن در حقیقت یہ اشارہ اس کے ہاتھ سے انجام پاتا ہے۔ اسی طرح 'المعجم الوسیط' میں ابراہیم انیس رقم طراز ہیں:

> ”الاشارة تعیین الشئی بالید ونحوها، والاشارة التلویح بشئی یفهم منه المراد الاشارة“[2]
>
> (الاشارۃ یعنی ہاتھ سے کسی دوسری چیز کو متعین کرنا، اسی طرح کسی چیز، واقعے کا یوں تذکرہ کرنا کہ اس سے واضح طور پر مراد سمجھی جاسکے۔)

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اشارہ سے مراد کسی چیز یا کسی واقعہ کی یاد دہانی یا نشان دہی کی غرض سے اسے حسی طور پر کسی طریقے سے متعین کرنا۔ گویا اشارے میں محض کسی بات کو نشان زد کیا جاتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت یا تفصیل بیان نہیں کی جاتی بلکہ اس کی بابت معمولی اشارہ کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ متعدد جگہوں پر استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ﴾ 3 پس حضرت مریم علیہا السلام نے بچے کی جانب اشارہ کیا۔

اس آیت سے واضح طور پر اشارہ کے مفہوم کو سمجھا جا سکتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام سے جب بچے کی بابت سوال کیا گیا، تو انہوں نے اشارہ کر کے بچے کی طرف متوجہ کیا۔ معلوم ہوا کہ اشارہ کا لغوی معنی یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف حسی انداز میں متوجہ کرنا۔

وجہ تسمیہ اور اسما

اس قسم کی تفسیر کے عموماً چار نام مشہور ہیں۔ تفسیر اشاری، اشاری میں "یا" یائے نسبت ہے۔ گویا یائے نسبتی کے ذریعے اشارہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ وہ چیز جو اشارہ کیے جانے سے تعلق رکھتی ہے۔ تفسیر ہذا میں بھی چونکہ آیاتِ قرآنیہ کے کسی غیر متبادر الی الذہن معنی ومفہوم کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، یعنی ایسے معنی و مراد سے تفسیر کی جاتی ہے، جو عمومی طور پر آیت سے مفہوم نہیں ہوتی۔ اسی لیے اس قسم کی تفسیر کو بھی تفسیر اشاری کہا جاتا ہے۔ نیز اس قسم کی تفسیر چونکہ صوفیا سے متعلق ہوتی ہے، یعنی عموماً صوفیا ہی کسی آیت کا باطنی معنی بیان کرتے ہیں اور یہ سب فیضانِ الٰہی ہی ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے اسے "تفسیر صوفی" اور "تفسیر فیضی" بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں اشارۃً اس قسم کے تفسیری بیانات کو علمِ لدنی قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر کو تفسیر لدنی بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا﴾[4]

(تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا جس کو ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا تھا، اور خاص اپنی طرف سے ایک علم سکھایا تھا۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو اپنی طرف سے دیئے گئے علم کا نام علمِ لدنی بتایا۔ تفسیر اشاری میں بھی چونکہ سالک یا صوفی کا یہ دعویٰ اور موقف ہوتا ہے کہ یہ تفسیری بیان اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے القا کیا گیا ہے۔

اصطلاحی معنی

تفسیر اشاری کی اصطلاحی تعریف میں اربابِ تفسیر کی مختلف آرا ہیں۔ من جملہ تفسیر اشاری وہ تفسیر ہے جو صوفیا کرام اور ارباب سلوک کی جانب سے قرآنی آیات کی تشریح وتوضیح کی جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب 'الاتقان فی علوم القرآن' میں لکھتے ہیں:

"بانہ عبارۃ عن تاویل الآیات القرآنیۃ الکریمۃ علی خلاف مایظہر منہا بمقتضی اشارات خفیۃ تظہر لارباب السلوک ویمکن التطبیق بینہا وبین

الظواهر المراد"[5]

(تفسیر اشاری قرآن مجید کی آیات مبارکہ کی ایسی تشریح پر مشتمل ہوتی ہے، جو لطیف اشارات پر مبنی ہوتی ہے اور عموماً ظاہر الفاظ سے خلاف معلوم ہوتی ہے اور ارباب سلوک پر منکشف ہوتی ہے، لیکن اس کے ظاہر اور باطن کے درمیان تطبیق ممکن ہوتی ہے۔)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ تفسیر اشاری سے مراد قرآن مجید کی وہ تفسیر کرنا ہے، جو بہ ظاہر تو قرآنی آیات سے مترشح نہ ہو، لیکن صوفیائے کرام اور اربابِ سلوک کے دل پر منکشف ہونے والے اشارات ہوں۔ گویا تفسیر اشاری آیات قرآنیہ کے ظاہر سے مفہوم نہیں ہوتی، بلکہ صوفی یا سالک کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ نکات القا کیے جاتے ہیں۔ بہ ظاہر تو آیت کی مراد کوئی اور ہو گی، لیکن غور و خوض سے اس آیت کا باطنی معنی واضح ہو گا۔ علامہ سیوطیؒ نے درج بالا تعریف میں اس بات کی شرط عائد کی ہے کہ اس تفسیر اشاری اور آیت کے ظاہری معنی کے مابین تطبیق بھی ممکن ہو۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آیات قرآنیہ کا ظاہری مفہوم تو حتمی مرادِ الٰہی ہے، لیکن تفسیر صوفی ایسے نہیں ہے۔ وہ محض سالک کی اپنی رائے ہے، اگرچہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے القا کی گئی ہو۔

تفسیر اشاری کی شرائط

تفسیر اشاری چونکہ عام اسلوب سے ہٹ کر ایک غیر معتاد قسم کی تفسیر ہے اور اس میں مفسر کا اللہ تعالیٰ سے تعلق بھی خاص نوعیت کا ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس کے لیے علماء تفسیر و علوم القرآن نے شرائط لاگو کی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ باطنی تفسیر کرتے کرتے انسان کہیں ظاہری اور واجبی احکامات سے ہی نہ نکل جائے۔ اسی لیے شرائط کے ذریعے مفسر کو ایک شرع سے ثابت شدہ ایک دائرہ کار میں محدود کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں باطنی مفاہیم بھی تصور کیے جائیں گے اور احکامات شرعیہ کی پامالی سے بھی حفاظت ہو گی۔ ایک شرط تو علامہ سیوطیؒ کی تعریف میں بیان کردہ قید سے واضح ہو گئی کہ باطنی تفسیر اور ظاہری تفسیر میں تضاد نہ ہو۔ اس کے علاوہ بھی علمائے تفسیر نے شرائط نقل کی ہیں، چنانچہ علامہ شاطبیؒ نے اپنی کتاب 'الموافقات' میں تفسیر اشاری کی شرائط سے متعلق لکھتے ہیں:

"ان يصلح على مقتضى الظاهر المقرر فى لسان العرب ويجرى على المقاصد العربية، ان يكون له شاهد شرعى يويد من الكتاب او السنة او الاصول المعتمدة ويشهد بصحة، ان يكون للتفسير الاشارى معارض شرعى او عقلى وذالک كتاويلات الباطنية التى توصلوا بها الى نفى الشريعة بالكلية، كتفسيرهم الكعبة بالنبى الصلوات الخمس بالاصول الاربعة والامام وان يدعى ان التفسير الاشارى هو وحدة المراد دون

الظاهر بل لا بد من اقرار التفسير العبارى الظاهر اولا ثم الاخذ بالاشارى"(6)

(وہ عربی زبان میں مقتضائے ظاہر کے مطابق ہو اور مقاصد عربیہ پر پورا اترے، قرآن و سنت یا اصول شرعیہ میں سے کوئی ایسا شرعی قرینہ موجود ہو، جو اس کی صحت کی گواہی دے، شرعی اور عقلی نصوص کے معارض نہ ہو جیسا کہ فرقہ باطنیہ کی تاویلات ہیں کہ کعبہ کی تفسیر نبی سے اور پانچ نمازوں کی تفسیر اصول اربعہ اور امام سے کرتے ہیں۔ اور یہ دعویٰ نہ ہو کہ یہی مرادِ الٰہی ہے، نہ کہ ظاہری معنی بلکہ ضروری ہے کہ پہلے ظاہر عبارت سے مفہوم مراد کا اقرار کیا جائے پھر تفسیر اشاری کو لیا جائے۔)

اس اقتباس میں علامہ شاطبیؒ نے تفسیر اشاری کے لیے چار شرائط کا ذکر کیا ہے۔ درج ذیل سطور میں ان شرائط کو مفصل بیان کیا گیا ہے:

1۔ پہلی شرط

علامہ شاطبیؒ نے تفسیر اشاری کے لیے پہلی شرط یہ لگائی ہے کہ وہ عربی زبان کے قواعد کے خلاف نہ ہو۔ قرآن مجید چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اسے سمجھنے کے لیے بھی عربی زبان کو مکمل سمجھنا ضروری ہے۔ عربی زبان سے ناواقفیت کی صورت میں قرآن مجید کی تفسیر کرنا کارِ عبث ہے۔ یہی وجہ ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿بلسان عربی مبین﴾7 کی تفسیر میں فرمایا کہ "بلسان قریش یفھموا مافیہ۔ 8" کہ قرآن مجید قریش کی زبان میں نازل ہوا، تاکہ وہ سمجھ سکیں کہ اس میں کیا ہے؟ یا اس میں جو کچھ ہے وہ سمجھ سکیں۔

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اہلِ قریش کی زبان میں نازل ہوا، تاکہ انہیں اس کی تفہیم میں مشکل درپیش نہ آئے۔ اس کے بعد والے جو لوگ قرآن مجید سمجھنا چاہیں گے ان کے لیے بھی یہی ضروری ہوگا کہ وہ عربی زبان کو سمجھیں تاکہ زبان سے ناواقفیت کی بنا پر اس کی غلط تشریح و تفسیر سے مامون رہیں۔

2۔ دوسری شرط

علامہ شاطبیؒ کے مطابق تفسیر اشاری کی دوسری شرط یہ ہے کہ تفسیر اشاری کے طور پر کی گئی تفسیر قرآن مجید کی کسی آیت کریمہ، حدیث مبارکہ یا ان سے اخذ شدہ کسی اصول کے خلاف ہو۔ اس لیے کہ آیات قرآنیہ، احادیث یا ان سے مستفاد اصول کا درجہ کسی صوفی کی رائے سے زیادہ فوقیت رکھتا ہے۔

محض اپنے القایا کشف کی بنا پر کوئی صوفی اپنی رائے قرآن وسنت کے ثابت شدہ اصولوں میں داخل نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ذاتی آراء کو قرآن مجید میں مذموم سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ-اِنَّه بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾[9]

(بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں سیدھی راہ سے ہٹتے ہیں، وہ ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ تو کیا جسے آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت میں امان سے آئے گا؟ تم جو چاہو کرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آیات قرآنیہ سے مرضی کے مطالب اخذ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں مذموم ہے۔ اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر تفسیر اشاری ایسی ہو، جو آیات واحادیث کے ہی مخالف ہو، تو وہ الحادِ آیات کے ضمن میں آئے گا۔ اس لیے کہ تفسیر اشاری مفسر کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے اور اس سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔

3۔ تیسری شرط

تفسیر اشاری کرنے کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ تفسیر عقل اور شرع کے خلاف نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی تفسیر نہ کی جائے، جو عقل انسانی کے ہی مخالف ہو یا وہ تفسیر شریعت کے اصولوں کے خلاف ہو۔ اس لیے کہ عقل اور شرع سے ثابت شدہ اصول مسلم ہیں، جب کہ تفسیر اشاری، جیسا کہ وضاحت ہو چکی، مفسر کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے، جس کا تعلق محض اس کی باطنی کیفیات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی مثال علامہ شاطبیؒ نے فرق باطلہ کی فاسد تاویلات کے ساتھ دی ہے۔ مثال کے طور پر وہ لوگ کعبہ سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لیتے ہیں، جب کہ واضح طور پر کعبہ سے مراد بیت اللہ ہی مراد ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں صراحت موجود ہے: ارشاد ربانی ہے:

﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ﴾[10]

(اللہ نے کعبے کو جو بڑی حرمت والا گھر ہے لوگوں کیلئے قیام امن کا ذریعہ بنادیا ہے۔)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کعبہ سے مراد بیت اللہ ہے، جہاں لوگ رہتے بھی ہیں اور وہ ان کے پر امن جگہ کے طور پر موجود ہے۔ اسی طرح پانچ نمازوں سے مراد اصول اربعہ اور امام لیتے ہیں، جب کہ یہ صراحتاً نصوص کے مخالف ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ

مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ- مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ﴾(11)

(اے ایمان والو! تمہارے غلام اور تم میں سے جو بالغ عمر کو نہیں پہنچے، انہیں چاہیے کہ تین اوقات میں، فجر کی نماز سے پہلے اور دوپہر کے وقت جب تم اپنے کپڑے اُتار رکھتے ہو اور نمازِ عشاء کے بعد۔)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پانچ نمازوں سے مراد پانچ نمازیں ہی ہیں، نہ کہ اصول اربعہ اور امام۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں فجر اور عشا کی نمازوں کے معروف نام بھی ذکر کیے۔

4۔ چوتھی شرط

تفسیر اشاری کے قابلِ قبول ہونے کے لیے چوتھی شرط یہ ہے کہ اس میں یہ اصرار نہ کیا جائے کہ کلامِ الٰہی سے یہی حتمی مراد ہے۔ خصوصاً جب کہ یہ تفسیر ظاہری کے معارض ہو بلکہ پہلے تو تفسیر ظاہری کو دیکھا جائے گا، اس کے بعد تفسیر اشاری کو دیکھیں گے۔ اگر وہ تفسیر ظاہری کے متضاد نہیں ہو گی، تو قبول کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس بات کی اجازت دے دی جائے کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے کوئی تفسیر کر کے اسے حتمی مرادِ الٰہی سمجھ لے تو اس صورت میں تو خواہشاتِ نفسانی کو نصوص شرعیہ سے ثابت کرنے کا دور دورہ ہو جائے گا۔ ہر شخص من مانی باطنی تفسیر کے نام پر دین میں جو مرضی چاہے گا، اضافہ کرتا جائے گا۔ اسی لیے تفسیر ظاہری کو بنیادی درجہ حاصل ہے، اس کے بعد تفسیر اشاری اگر اس کے معارض نہ ہو تو اسے قبول کیا جائے گا۔

موضح القرآن میں تفسیر اشاری

تعارفِ تفسیر و مفسر

موضح القرآن اردو زبان میں شاہ عبد القادر رحمہ اللہ کا پہلا بامحاورہ ترجمہ ہے۔ شاہ عبد القادر نہایت منکسر المزاج شخص تھے۔ آپ کی ولادت 1167ھ بمطابق 1753ء میں ہوئی۔ آپ کی تربیت پہلے پہل والد محترم کے زیر سایہ ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد بڑے بھائی شاہ عبد العزیز کی کفالت میں آ گئے۔ انہی سے علوم دینیہ حاصل کیے۔ 12 آپ کو قرآن مجید سے غیر معمولی شغف تھا۔ آپ نے قرآن پڑھنے پڑھانے کا اپنا مشغلہ بنا لیا تھا۔ آپ مسجد اکبر آبادی میں چالیس برس تک اعتکاف کے انداز میں رہتے رہے۔ آپ نے بارہ برس کے طویل دورانیے میں اردو زبان کا پہلا بامحاورہ اردو ترجمہ لکھا۔ اس

کے ساتھ ساتھ مختصر حواشی کی صورت میں تفسیر بھی کی۔ 13 آپ اپنے ترجمے کا تعارف موضح القرآن کے مقدمے میں یوں کرواتے ہیں:

"کلام پاک اس کا عربی زبان ہے اور ہندوستانی کو اس کا ادراک محال۔ اس واسطے اس بندۂ عاجز عبد القادر کو خیال آیا کہ جس طرح ہمارے والد بزرگوار حضرت شیخ ولی اللہ بن عبد الرحیم محدث دہلویؒ ترجمۂ فارسی کر گئے ہیں، سہل اور آسان، اب ہندی زبان میں قرآن شریف کا ترجمہ کرے۔ الحمد للہ کہ سنہ بارہ سو پانچ (۱۲۰۵ھ) میں میسّر ہوا۔ اب کئی باتیں معلوم رکھیے: اوّل یہ کہ اس جگہ لفظ بہ لفظ ضرور نہیں، کیوں کہ ترکیبِ ہندی ترکیبِ عربی سے بہت بعید ہے۔ اگر بعینہ وہ ترکیب رہے تو معنیٰ مفہوم نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس میں زبان ریختہ نہیں بولی، بلکہ ہندی متعارف، تا عوام کو بے تکلّف دریافت ہو۔ اس کتاب کا نام 'موضح قرآن' ہے۔ یہی اس کی صفت ہے اور یہی اس کی تاریخ (۱۲۰۵ھ) ہے"[14]

تفسیر اشاری کے مظاہر

جیسا کہ درج بالا سطور میں بیان کیا جا چکا ہے کہ موضح القرآن محض ترجمہ ہی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ تفسیری نکات بھی حواشی کی صورت میں موجود ہیں۔ چنانچہ ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ان حواشی میں تفسیر اشاری کس قدر پائی جاتی ہے اور کس درجہ کی پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ہم موضح القرآن سے منتخب متعدد قسم کے مقامات کا ترجمہ اور تفسیر دیکھیں گے، پھر اسے تفسیر اشاری کی جملہ شرائط پر پرکھیں گے۔ درج ذیل سطور میں انہی باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے چند قسم کے مقامات کا مطالعہ کیا گیا ہے:

پہلا مقام

اس قسم کے مقام پر شاہ عبد القادر رحمہ اللہ نے ایسی تفسیر اشاری کرتے ہیں، جس میں قرآن و سنت سے استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ سورہ المومنون کی آیت مبارکہ ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ﴾ 15 کے ضمن میں تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حق تعالیٰ نے فلاح پانے والوں کے احوال بیان فرمانے کے بعد اب ان کی انتہائی کامیابی کو ظاہر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان ہی کے واسطے جنت الفردوس ہے، معلوم ہوا کہ قَدْ اَفْلَحَ سے دنیاوی کامیابی مراد نہیں ہے، بلکہ اخروی کامیابی مراد ہے۔"[16]

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں تفسیر اشاری کررہے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے قَدۡ اَفۡلَحَ میں فلاح سے مراد مطلقاً کامیابی بھی مراد نہیں لی اور دنیاوی کامیابی بھی مراد نہیں لی، حالانکہ فلاح کا لفظ مطلق ہے، اور اس آیت میں اس کی تعیین کے متعلق کوئی وضاحت نہیں ہے کہ یہاں کون سی کامیابی مراد لی گئی ہے، لیکن شاہ عبدالقادر نے فلاح کو تفسیر اشاری کرتے ہوئے متعین کر دیا ہے۔ ان کے مطابق یہاں فلاح سے مراد آخرت کی کامیابی ہے۔

مذکورہ تفسیر تفسیر اشاری کی پانچوں شرائط پر پورا اترتی ہے۔ علامہ سیوطیؒ کے مطابق یہ ضروری ہے کہ تفسیر اشاری تفسیر ظاہری کے معارض نہ ہو، جب کہ یہاں کوئی تعارض موجود نہیں ہے۔ علامہ شاطبیؒ کی پہلی شرط یہ تھی کہ کوئی نص اس تفسیر اشاری کی تائید کر رہی ہو، جب کہ یہاں اس تفسیر کی تائید میں نصِ قرآنی موجود ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾[17]

(ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تمھیں تمہارے اجر پورے پورے دیئے جائیں گے تو جسے آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے چھٹکارا پانے کو فلاح اور کامیابی قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیاوی زندگی کو دھوکہ کی زندگی قرار دیا ہے۔ اس سے مذکورہ تفسیر اشاری کی مکمل تائید ہوتی ہے کہ مفسر نے واضح طور پر دنیاوی کامیابی کی نفی کی اور اخروی کامیابی کو فلاح کا مصداق قرار دیا۔ اسی طرح علامہ شاطبیؒ کی بیان کردہ دوسری شرط میں اس تفسیر اشاری میں پائی جارہی ہے کہ یہ تفسیر قرآنی آیت، حدیث یا ان سے مستفاد کسی اصول کے خلاف نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی تائید میں تو قرآن مجید خود آچکا ہے۔ تیسری شرط بھی اس میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے کہ کوئی عقلی اور شرعی توجیہ اس کے مخالف نہیں ہے۔ یہ تفسیر اشاری چوتھی شرط پر بھی پورا اترتی ہے کہ اس میں کہیں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہاں یہی اللہ تعالیٰ کی قطعی مراد ہے۔

دوسرا مقام

دوسری قسم کے مقامات پر شاہ عبد القادر رحمہ اللہ کسی آیت میں مذکورہ بات کی حکمت بیان کرتے ہیں۔ جس کے ذریعے آیت سے خلجان رفع ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ چناں قرآن مجید میں مذکور ہے:

﴿وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّه نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ‑فَاَنْسٰهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّه فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ﴾ (18)

اور یوسف نے جس کے بارے میں گمان کیا کہ ان دونوں میں سے وہ بچ جائے گا اسے فرمایا: اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا تو شیطان نے اسے اپنے بادشاہ کے سامنے یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا تو یوسف کئی برس اور جیل میں رہے۔

اس آیت میں دورانِ قید حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک قیدی نے بشارت دی کہ آپ جلد رہا ہو جائیں گے، لیکن ساتھ ہی اس نے یہ کام ذمے لگایا کہ جب آپ بادشاہ کے پاس جائیں تو میری رہائی کے لیے کوئی سبیل کیجیے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت حامی بھر لی، لیکن انہیں یہ بات بھلا دی گئی اور وہ شخص کئی برس جیل میں قید رہا۔ اس کی تفسیر میں شاہ عبد القادر لکھتے ہیں:

"حضرت یوسف علیہ السلام نے اس بات کی سعی کی ہے کہ میرا ذکر کریو بادشاہ کے پاس وہ بھول گیا تا کہ پیغمبر کا دل اسباب پر نہ ٹھہرے آخر کئی برس رہے قید میں اکثر لوگ کہتے ہیں سات برس۔"(19)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ مفسر نے اس آیت کی تفسیر اشاری کرتے ہوئے حکمت بیان کی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قید سے رہائی پا کر قیدی کی بات بھول جانا بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اس نسیان سے مقصود حضرت یوسف علیہ السلام کی تربیت تھا۔ حالانکہ قید سے رہائی کے بعد آپ بادشاہ کے قریبی بن گئے تھے اور یہ معمولی سی بات ہے کہ مختلف مواقع پر کسی نہ کسی واسطے سے انسان کو پچھلی بات یاد آجاتی ہے، لیکن یہ بات حضرت یوسف علیہ السلام بھول گئے۔ اس لیے کہ اس میں مقصد یہ کارفرما تھا کہ آپ کا دل اسباب پر بالکل نہ رہے۔

مذکورہ تفسیر میں تفسیر اشاری کی پانچوں شرائط پائی جا رہی ہیں۔ پہلی شرط کے مطابق تفسیر اشاری اور تفسیر ظاہری میں کسی قسم کا تعارض نہیں پایا جا رہا۔ دوسری شرط کے مطابق قرآن مجید میں اس

قسم کے واقعہ کا مؤید موجود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک جلیل القدر پیام بر کو ان کی معمولی سی کوتاہی پر متوجہ کیا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿عَبَسَ وَ تَوَلّٰی۔ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی﴾[20]

(تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نابینا صحابی کو کسی وجہ سے منہ پھیرنے پر متوجہ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مختلف مواقع پر اپنے برگزیدہ بندوں کی تربیت کے پیشِ نظر کوئی ایسا عمل کروا دیتے ہیں، جو بہ ظاہر ان کے شایانِ شان نہ ہو۔ یہاں بھی چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل کو اسباب پر قناعت کرنے سے ہٹانا تھا، اسی لیے انہیں ایک عام سی بات بھلا دی گئی۔ تیسری شرط بھی واضح طور پر اس تفسیر اشاری میں موجود ہے، اس لیے کہ یہاں قرآن و سنت کے خلاف ہونا تو کجا، ان سے تائید حاصل ہو رہی ہے۔ چوتھی شرط کے مطابق بھی یہ تفسیر اشاری ٹھیک ہے، اس لیے کہ کوئی عقلی یا شرعی نص اس کے منافی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقلی یا شرعی نص کے منافی تب ہوتی جب ظاہری معنی سے عدول کیا جاتا، یہاں تو ظاہری تفسیر کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح پانچویں شرط کے مطابق بھی تفسیر اشاری درست معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ شاہ عبد القادر نے درج بالا اقتباس میں کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے۔

تیسرا مقام

اس قسم کے مقام پر شاہ عبد القادر رحمہ اللہ ظاہری ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا اشاری مطلب بیان کرتے ہیں۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَ اَنَّ اللهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾[21]

(یہ اس لیے ہے اللہ رات کو دن کے حصے میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات کے حصہ میں داخل کرتا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔)

اس آیت کی تشریح میں شاہ عبد القادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”یعنی اس طرح کفر میں اسلام غالب کرے گا۔“[22]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں مدغم کر دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا مظہر ہے۔ مفسر موضح القرآن

نے اس کی تفسیر اشاری کرتے ہوئے یہ کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دینِ اسلام کو کفر پر غالب کر دیتا ہے۔

یہ تفسیر تفسیر ظاہری کے مخالف نہ ہونے کی وجہ سے تفسیر اشاری کی پہلی شرط پر پورا اترتی ہے۔ اگر ہم غور کریں تو یہ قرآنی آیت سے تائید شدہ ہے۔ اس لیے کہ اسلام روشنی ہے اور کفر اندھیرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (23)

(اللہ مسلمانوں کا والی ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے حمایتی شیطان ہیں وہ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخ والے ہیں، یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نور اور روشنی دینِ الٰہی ہی ہے، جب کہ کفر تو ظلمت کے اندھیروں کا نام ہے۔ گویا یہ تفسیر تفسیر اشاری کی دوسری اور تیسری شرط پر پورا اترتی ہے۔ اس لیے کہ اس کی تائید میں قرآنی آیت موجود ہے نہ کہ اس کے خلاف۔ چوتھی شرط کہ تفسیر اشاری کسی شرعی یا عقلی نص کے خلاف نہ ہو، بھی اس میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے کہ جب قرآنی آیت اس کی تائید میں موجود ہے تو کسی شرعی یا عقلی نص کا اس کے خلاف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح پانچویں اور آخری شرط کا پایا جانا بھی واضح ہے کہ اس تفسیر میں اسی کے حتمی مرادِ الٰہی کے ہونے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

خلاصۃ البحث

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا معجز کلام ہے، جس میں ہر زمانے میں ہر فکر کو لوگوں نے خامہ فرسائی کی ہے۔ اہلِ سلوک و تصوف نے قرآن مجید کو اپنے صوفیانہ انداز میں پڑھا اور اس سے معانی اخذ کیے۔ تفسیر صوفی یا تفسیر اشاری کی روایت بہت پرانی ہے۔ اس سے مراد ایسی تفسیر ہے، جو ظاہری طور پر قرآن مجید کے مفہوم کے خلاف ہو، لیکن وہ ایسے لطیف اشارات پر مبنی ہو، جو دین اسلام کی روح کے منافی نہ ہوں۔ علمائے علوم القرآن و تفسیر نے اس کے لیے متعدد شرائط لاگو کی ہیں، جن کی رعایت رکھتے ہوئے اس تفسیر کی اجازت بھی دی ہے۔ قرآن مجید کا اردو زبان میں سب سے پہلا بامحاورہ ترجمہ 'موضح

القرآن' ہے۔ یہ ترجمہ بر صغیر کے عظیم خانوادے کے سپوت شاہ عبد القادر رحمہ نے کیا تھا۔ انہوں نے ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ تفسیری نکات بھی حواشی میں درج کیے۔ یہ حواشی تفسیر اشاری پر بھی مشتمل ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں اس بات کی طرف توجہ دی گئی ہے کہ تفسیر اشاری کی تعریف اور اس کی شرائط بیان کرنے کے ساتھ ساتھ 'موضح القرآن' میں تفسیر اشاری کے مظاہر کو بھی بیان کیا جائے۔ موضح القرآن میں مختلف اقسام کے مقامات پر شاہ عبد القادر رحمہ اللہ نے تفسیر اشاری سے کام لیا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں ان مقامات کو مثالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1۔ ابن منظور، أبو الفضل، جمال الدین محمد بن مکرم بن علی، لسان العرب، المملکۃ السعودیۃ: ادارۃ الشئون الاسلامیۃ والاوقاف والدعوۃ والارشاد، س ن، ص:104

2۔ ابراہیم انیس، المعجم الوسیط، بیروت: مجمع اللغۃ العربیۃ القاہرۃ، دار الدعوۃ، ص:۴۹۹

3۔ القرآن:19/29

4۔ القرآن:18/65

5۔ سیوطی، جلال الدین، عبد الرحمن، الاتقان فی علوم القرآن، لبنان: دار ابن حزم، س:ن، ج:4، ص:198

6۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات، المملکۃ السعودیۃ العربیۃ: دار ابن مغان، 1997ء، ج:4، ص:232

7۔ القرآن:26/195

8۔ بغوی، ابو محمد، حسین بن مسعود، معالم التنزیل، بیروت: دار ابن حزم، 2002ء، ص:946

9۔ القرآن:41/40

10۔ القرآن:5/97

11۔ القرآن:24/58

12۔ محاسن موضح قرآن، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی، دہلی: ادارہ رحمت عالم، 1976ء، ص19

13۔ قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر کا تنقیدی مطالعہ 1914ء تک، ڈاکٹر سید حمید شطاری، طبع: حیدر آباد، 1982ء، ص:144

14۔ مستند موضح قرآن مع فوائد، شاہ عبد القادر محدث دہلوی، تصحیح: مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی، کراچی: سعید کمپنی، س ن، ص:32

15۔ القرآن:23/10

16۔ شاہ عبد القادر، موضح القرآن، ص:307

17۔ القرآن:23/1

18۔ القرآن:12/42

19۔ شاہ عبد القادر، موضح القرآن، ص:217

20۔ القرآن:80/1

21۔ القرآن:21/22

22۔ شاہ عبد القادر، موضح القرآن، ص:304

23۔ القرآن:257/2